ڈاکٹر انجم رحمانی

برصغیر میں مسلم خطاطی

(۱)

فن خطاطی مسلم ثقافت کے بنیادی اجزائے ترکیبی میں سے ہے اور یہ اسلامی تہذیب کی تاریخ کا ایک روشن ترین باب ہے۔ غارِ حرا میں پہلی وحی کے ساتھ ہی قرآنی کتابت سے اس کا آغاز ہوا اور اس طرح یہ دیگر اسلامی فنون سے مقدم الوجود ہے۔ اس طرح اس فن کا وجود و ارتقا ایک مقدس جذبے کا مرہونِ منت ہے اور وہ ہے اشاعت و ترویج قرآن کا جذبہ ۔!

ہمارے ہاں متعدد فنون شہنشاہوں کے عروج و اقتدار اور دولت کے سہارے پھلے پھولے اور پروان پڑھے۔ مثلاً فن تعمیر بادشاہوں کی سرپرستی کا نتیجہ اور ان کے شاہانہ جاہ وجلال کا اظہار ہے۔ ادب کی حوصلہ افزائی بھی اربابِ دولت نے کی، مصوری بھی حکمرانوں کے درباروں میں آئی اور پھر ہماری ثقافت کا حصّہ بنی۔ موسیقی کے عروج کا اصل ذریعہ بھی اصحابِ حکومت ہیں۔ مگر خطاطی کا معاملہ اس کے بالکل برعکس رہا۔ یہ فن شریف ترقی کے لیے ایسے سہاروں اور اسباب کا محتاج نہیں رہا۔ ہر زمانے کے ہر ادنیٰ و اعلیٰ نے اس فن کا سیکھنا باعثِ برکت و ثواب سمجھا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے کروفر کے مالک شہنشاہوں نے ایک خطاط کی زندگی گزارنے میں فخر محسوس کیا۔ اس مقدس فن کی سرپرستی کو اہل ثروت اور اربابِ حکومت نے اپنی نجاتِ اُخروی کا ذریعہ گردانا۔ مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ جملہ اسلامی فنون میں خطاطی ایسا فن رہا جس کے سیکھنے سکھانے اور سرپرستی کے پیچھے محض جذبۂ رضائے الٰہی کارفرما تھا، اور یہی بات خطاطی کو تمام فنونِ اسلامی سے اعلیٰ تر مقام پر فائز کرتی ہے۔

دوسرے مذاہب میں ان کے رسم الخط کو اپنی زبان کی محض تحریر تک محدود رکھا گیا جب کہ اسلامی خطاطی کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے ہمہ گیر ذوقِ جمال اور حُسنِ تخیل کی وجہ سے آرائشی فنون میں داخل ہو گئی۔ اس میں خط کی (خواہ وہ نسخ ہو یا نستعلیق) اس حد تک تہذیب و تنقیف کی گئی کہ اسے فنِ لطیف کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اس لحاظ سے خطاطی روح کے حسین احساسات کا دوسرا نام ہے جو لفظوں کے پیکر میں تجسیم ہو کر

جادو جگاتے ہیں ۔میرے خیال میں خطاطی کو روح کی جیومیٹری کہنا چاہیے جو دائروں، دامن، اور مدات کے پرکشش روپ میں صفحۂ قرطاس پر منتقل ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کے ہاں خط محض زبان کو معرض تحریر میں لانے کا ایک ذریعہ ہی نہیں بلکہ یہ ذوقِ جمال کا مظہر بھی ہے، جب ایک مسلمان خوش نویس صفحۂ قرطاس پر اپنا قلم چلاتا ہے تو اس کی صریرِ خامہ محض ایک بے معنی آواز نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک نغمۂ رقصاں ہوتا ہے جو تخلیق حسن کے ساتھ ساتھ اس کی دل کی گہرائیوں سے بلند ہوتا ہے۔ مشہور جرمن مستشرق اوٹنگ (Euting) اکثر کہا کرتا تھا کہ ایک خوش خط کاتب کا لکھا ہوا " الف" مائیلو کی وینس سے خوب صورتی اور رعنائی میں کسی طرح کم نہیں ۔

مسلمانوں کے ہاں خطاطی بطور آرائشی فن بڑی ہمہ گیر اور وسیع تر ہے۔ اور خطاطی کو یہ مقام کسی ایک دن یا ایک فرد کی کوشش سے حاصل نہیں ہوا بلکہ ہمارے اسلاف نے اپنے خط کو خوب صورت بنانے میں کئی صدیوں تک پیہم کوشش کی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی رعنائیاں قرطاس سے لے کر قصور و محلات، مساجد و مقابر، پارچہ جات، معادن اور گلی ظروف، چوبی اشیا وغیرہ، ہر جگہ رنگ، خوشبو اور زیبائی کائنات سجائے ہوئے ہیں ۔ الحمرا کے بام و در، سمرقند کی گورِ امیر اور آگرہ کا تاج محل جیسے شہرۂ آفاق عجائب کی تحریریں سب خوش نویس ہی کے دستِ ہنر پرور کی رہینِ منّت ہیں ۔

مسلمانوں نے خطاطی میں مصوری کے تمام امکانات کو اجاگر کیا لیکن اس کے باوجود خطاطی سے ہمیشہ پاکیزہ خیالات سے دامن بھرا ۔ اس کے معنوی اور حقیقی پہلوؤں نے اسلوب سازی کے نئے چراغ روشن کر لیے ۔ خطوط آرائش اور ترصیع کا ذریعہ بھی بنے اور خیر و برکت کی بشارت بھی ۔ خطاطی کا آرائشی پہلو وہ امتیاز ہے جو اسلامی ثقافت کی خصوصیات بلکہ مفاخر میں شمار ہوتا ہے ۔

(۲)

برصغیر پاک و ہند میں خطاطی کا ورود یقیناً محمد بن قاسم کے فتح سندھ (۷۱۲ء) کے وقت ہی ہو گیا تھا ۔ یہاں بھی دوسرے اسلامی ممالک کی طرح کتابت قرآن و کتب کے علاوہ اس کا استعمال آرائشی فن کے طور پر بھی ہوا تھا ۔ اس لحاظ سے خطاطی بطور فن برصغیر میں بھی دوسرے اسلامی فنون سے مقدم الوجود ہے ۔ تاریخی احوال سے ثابت ہے کہ یہاں بھی خطاطی کی آؤ بھگت بہت زیادہ ہوئی اور یہاں بھی امیر و غریب اور راجا و پرجا تے اپنی بساط کے مطابق اس فن کی خدمت کی ۔ بلکہ یہاں تک کہ بعض شہنشاہوں نے اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ۔ یہ درست ہے کہ فنِ تعمیر، ادب، مصوری وغیرہ نے عروج کے کچھ

خاص دور دیکھے لیکن خطاطی کی حیثیت سدابہار رہی ہے ۔

برصغیر میں خطاطی کے ارتقا اور اس کی ثقافتی حیثیت کا جائزہ مندرجہ ذیل ادوار کے تحت کیا جاتا ہے ۔

پہلا دور	:	۷۱۲	تا	۱۰۲۲ء
دوسرا دور	:	۱۰۲۲	تا	۱۵۲۶ء
تیسرا دور	:	۱۵۲۶	تا	۱۷۰۷ء
چوتھا دور	:	۱۷۰۷	تا	۱۸۵۷ء
پانچواں دور	:	۱۸۵۷	تا	۱۹۴۷ء
چھٹا دور	:	قیام پاکستان کے بعد		

پہلا دور : یہ دور محمد بن قاسم کے فتح سندھ ۷۱۲ء (۹۳ھ) سے لے کر شمالی جانب سے محمود غزنوی کے ہاتھوں فتح لاہور (۱۰۲۲) تک کے عرصے پر محیط ہے ۔ تاریخ میں یہ دور عرب حکومت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ اس عرصے میں سندھ میں اسلامی حکومت ملتان سے کچھ تک اور دوسری طرف مالوہ تک محدود رہی ۔ عربوں کا سندھ میں یہ سلسلۂ حکومت یعقوب بن لیث صفاری (۲۹۰ھ/۹۰۲ء) تک بحال رہا ۔ اسی زمانے میں کچھ مسلمان تاجر ہند کے جنوبی ساحل پر بھی آباد ہو گئے تھے اور اس طرح سندھ میں اسلامی سوسائٹی کے قیام سے اسلامی ثقافت کی بنیاد پڑی ۔

مختلف ماخذ سے پتا چلتا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں نے ثقافتی طور پر بہت ترقی کی ۔ تعلیم و تصنیف کے میدان میں اُنھوں نے شاندار کارنامے سرانجام دیے ۔ بھنبھور اور منصورہ جیسے شہر بھی آباد کیے ۔ لیکن اس زمانے میں فنِ تعمیر کی کیا صورت تھی ، اس بارے میں ان دو مذکورہ شہروں کی کھدائی سے مسجد کے آثار سے زیادہ کچھ نہیں ملا ۔ ملتان میں کیا تعمیرات ہوئیں ، اس کی بھی تفصیل مرتب نہیں ہوئی ۔ اس عہد میں خطاطی میں کیا کارہائے نمایاں ہوئے ، اس بارے میں بھی معلومات کا فقدان ہے ۔ اس صورت میں فنِ خطاطی اور اس کے ثقافتی مقام کا اندازہ لگانا مشکل ہے ۔ البتہ اس دور کے مختلف مقامات سے جو چند کتبات ملے ہیں ، ان سے اس دور کی خطاطی کے بارے میں کچھ اندازہ ہوتا ہے ۔ ایسے کتبات میں سے سب سے پرانا کتبہ بخطِ نسخ[1] ریاست ٹریونڈرم میں مقام کلم کی ایک مسجد سے ملا جس کو

اسمٰعیل بن مالک بن دینار نے ۱۰۹ھ/ ۷۲۷ء میں تعمیر کیا ہے۔ بمبئی کے علاقے نالا سوپارہ اور نوساری سے بھی اسی قسم کے شواہد ملتے ہیں ۔

پاکستان میں بھنبھور (سندھ) کے مقام سے چند قدیم عربی زبان کے کوفی رسم الخط میں سنگی کتبے دریافت ہوئے ہیں جن کا تعلق مسجد کی تعمیر سے ہے۔ ان کا زمانہ ۷۲۷ - ۹۰۴ء کے مابین قرار دیا جاتا ہے یہ کتبات عربی زبان کے اعلیٰ پایہ کوفی رسم الخط میں تحریر ہیں اور معیار میں دوسرے اسلامی ممالک کے معاصر کتبات کے ہم پایہ ہیں۔ اس دور کے بعض کتبے (۲۴۳ھ/ ۸۴۷ء) شمالی علاقے میں ٹوچی وادی سے بھی ملے ہیں جو آج کل پشاور کے عجائب گھر میں موجود ہیں۔ سکھر اور روہڑی کی مساجد سے اس دور کے جو دو کتبات دریافت ہوئے ہیں، ان کا زمانہ کتابت علی الترتیب ۹۵۲ء اور ۱۰۹۰ء ہے ۔

ان شواہد سے اگرچہ کوئی حتمی نتیجہ قائم کرنا ممکن نہیں تاہم یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے حصۂ سندھ میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت میں اسلامی خطاطی کا رواج ہوگیا تھا ۔
کتابت قرآن و کتب کے علاوہ خطِ کوفی مساجد کی پیشانیوں پر بطورِ آرائش استعمال ہو رہا تھا۔ سکھر اور روہڑی کے کتبات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خطِ نسخ اپنی ایجاد کی صدی (۳۱۰ھ) ہی سے برصغیر میں رائج ہوگیا تھا، گویا اس دور میں کوفی اور نسخ دونوں خط یہاں مروج تھے۔ اس میں شاہی دلچسپی کا کیا عالم تھا، اس بارے میں بھی ہماری معلومات کمزور ہیں ۔

دوسرا دور :

برصغیر میں اسلامی حکومت کا یہ دور سلطان محمود غزنوی کے فتح لاہور (۱۰۲۲ء/ ۴۱۳ھ) سے شروع ہوکر بابر کے فتح ہندوستان (۱۵۲۶ء) تک پھیلا ہوا ہے۔ اس زمانے میں ہندوستان میں اسلامی تہذیب و ثقافت کی ترویج ہوئی، اور فنِ تعمیر، تعلیم، ادب وغیرہ کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ اسی عہد میں امیر خسروؒ کی وجہ سے موسیقی کا چرچا ہوا۔ مصوری بھی مسلمانوں کے فنون میں کہیں کہیں نظر آنے لگی۔ تاہم خطاطی اس عہد میں مقدس فن کے طور پر پھلی پھولی۔ برصغیر میں خطِ نستعلیق کی ایجاد سے قبل کا یہ عہد خط کوفی و نسخ اور ان کی ترمیمات کے علاوہ خطِ بہار کی ایجاد تک محدود رہا ۔

اس عہد میں ملکی زبان کی حیثیت سے فارسی کے علاوہ عربی کا بھی رواج رہا۔ خطاطی زیادہ قرآنی کتابت تک محدود رہی، تاہم کاغذ اور تعلیمی مدرسوں کے رواج سے یہ فن زیادہ مقبول ہوا۔ اس

عہد کے نمونے مختلف مخطوطوں، عمارتی کتبوں اور سکّوں وغیرہ کی عبارات کی صورت میں ملتے ہیں۔ محمود غزنوی نے لاہور کو اپنی سلطنت میں مستقل طور پر شامل کیا۔ سلطان مسعود بن سلطان محمود کے عہد کی تصنیف تاریخ بیہقی کے مطابق لاہور میں باقاعدہ دفتر دیوانی قائم کیا گیا۔ قلم و دوات اور کاغذ بھی عمدگی سے دستیاب ہونے لگا۔ جہاں آج کل حسن ابدال ہے، وہاں باقاعدہ تعلیم اسلامی کے مدرسے بھی اس عہد میں قائم ہوئے۔ ساروغ نامی فوجی جرنیل کو ان مدارس کا مہتمم مقرر کیا گیا۔ اس زمانے میں ملک میں عربی، فارسی زبانیں عام تھیں۔ محمد ورّاق اس عہد کا ایک کاتب تھا۔ سلطان ابراہیم (متوفی ۴۹۲ھ) بن سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی خوش نویسی میں مہارت رکھتا تھا۔ وہ ہر سال اپنے ہاتھ سے دو قرآن پاک لکھتا تھا۔ ایک قرآن مدینہ منورہ بھیجتا اور دوسرا مکہ مکرمہ۔ عوفی نے لباب الالباب میں سیّد الکتّاب جمال الدین لاہوری کو عہد غزنوی کا ابنِ مقلہ کے مرتبے کا کاتب لکھا ہے۔ عوفی نے معز الاسلام نجیب الدین ابوبکر الترمذی خطاط کا بھی ذکر کیا ہے جس کا خط بے حد لطیف تھا۔

عہدِ غزنوی کے خطاطی کے مصدقہ نمونوں میں سے سلطان محمود کا ایک سکّہ ہے جو اس کے فتح لاہور کے فوراً بعد لاہور میں مضروب ہوا۔ یہ سکہ مقامی طور پر " تنکہ " کہلایا۔ اس سکے کے دونوں طرف عربی اور سنسکرت عبارتیں الگ الگ تحریر ہیں۔ اسی طرح اس عہد میں حضرت ابوالحسن علی ہجویری کی معروف تصنیف کشف المحجوب کے علاوہ کئی دیگر کتابیں معرضِ وجود میں آئیں۔ لیکن اس دور کا قلمی سرمایہ نہایت کم یاب ہے، فقط ایک قلمی کتاب بہجتہ النفوس والاسرار فی تاریخ الہجرۃ المختار، پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے جسے ابو حامد نامی کاتب نے ۴۳۶ھ میں لکھا۔ مزید برآں احمد آباد (گجرات کاٹھیاوار) میں کارچ نامی مسجد میں ایک کتبہ (۴۴۵ھ/ ۵۳-۱۰۶۱) ہے جو عربی نسخ میں تحریر ہے۔ علاوہ ازیں اس عہد کے دیگر مقامات سے جو سنگی تحریریں ملی ہیں، ان کے تجزیے سے یہی کہا جا سکتا ہے کہ غزنوی دور کے آخر (۵۸۶ھ) تک خط کوفی اپنی ارتقائی صورت میں اور خطِ نسخ اپنی ابتدائی صورت میں تاریخ خطاطی کا باب مرتب کر رہے تھے۔ مزید برآں یہاں کے کاتبوں میں ابنِ مقلہ اور ابن بوّاب کا طرزِ تحریر قابلِ توجہ اور جاذبِ نظر تھا۔ ایک اور کتبہ لاہور میں پیر غیاث الدین بلخی کے مزار کا ہے جو خطِ نسخ میں ۵۴۳ھ/ ۱۱۴۸ع کا مکتوبہ ہے۔

عہد سلاطین معزیہ میں دو بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اوّل دار الحکومت لاہور کے بجائے دہلی

قرار پایا۔ دوسرے برصغیر کی اسلامی سلطنت وسطِ ایشیا سے لے کر ہندوستان کے مرکز دہلی تک پھیل گئی۔ غوری خاندان کی ابتدائی عمارات جو دہلی، اجمیر، بدایوں، ہانسی، حصار اور کیتھل میں موجود ہیں، ان میں سے بعض کے کتبات اس عہد کی خطاطی کا بہترین نمونہ پیش کرتے ہیں اور وہ تقریباً تحریر کی ہر طرز کو ظاہر کرتے ہیں۔

دہلی میں قطب مینار اور مسجد قوۃ الاسلام کے کتبات نہایت خوب صورت خطِ کوفی و ثلث کے نمونے ہیں۔ اس مسجد کے مشرقی دروازے کا کتبہ جو ۵۸۷ھ میں لکھا گیا تھا خطِ ثلث میں ہے۔ اس کے شمالی دروازے کا کتبہ جو ۵۹۲ھ کا مکتوبہ ہے خطِ ثلث کوفی کا عمدہ نمونہ ہے۔ مسجد کی بائیں جانب کی درمیانی بڑی کمان کا کتبہ ۵۹۴ھ کی تحریر ہے جو خط کوفی تزئینی میں منقش ہے۔ التمش کے مقبرے کے کتبات اعلیٰ ترین خطِ کوفی کے انداز کے ہیں۔ اسی طرح اس عہد کی خطاطی کے کچھ اور نمونے اس عہد کے سکوں پر بھی ملتے ہیں۔ فواد الفوائد کے مصنف کے بقول اس عہد میں کاغذ زیادہ میسر نہ تھا۔ اس میں ایک صاحب قاضی فخر الدین ناقلہ کا بھی ذکر ملتا ہے جو کتابیں نقل کرنے پر مامور تھا۔ غیاث الدین بلبن کے عہد کی تاریخ "فیروز شاہی" میں مذکور ہے کہ جو کاتب قرآن مجید لکھ کر بادشاہ کے سامنے پیش کرتا وہ اس کو ہدیہ عطا کرتا اور پھر یہ نسخہ ہر اُس مستحق شخص کو دے دیتا جو قرآن پڑھنا جانتا یا اس کے مطالعہ کی خواہش رکھتا۔ سلطان بلبن کے لڑکے خان شہید حاکم ملتان کے بارے میں تاریخ فرشتہ نے امیر خسروؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ شہزادے کے پاس تقریباً ۲۰ ہزار اشعار پر مشتمل ایک بیاض تھی جو اعلیٰ ترین خط میں لکھی گئی تھی۔ سلطان ناصر ین محمود (۶۴۴ھ/۱۲۴۶ء) بحیثیت کاتبِ قرآن مشہور رہے۔ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ ابنِ بطوطہ نے بھی دیکھا تھا۔ اس کے بارے میں مندرجہ معلومات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں قرآنی خطاطی اُجرت پر بھی ہوتی تھی۔ ملک قوام الدین بھی اس عہد کا ایک ممتاز صاحبِ خط تھا۔ اس کی مراسلت اس فن کے ماہرین میں تعجب و حیرت کا باعث بنتی۔ علاوہ ازیں عہد بلبن کے فرامین کے سرنامے پر طغرا تما بادشاہ کے القاب وغیرہ بھی دیکھنے میں آئے ہیں۔ گویا اس عہد کے اختتام تک یہاں علم و ادب کا ماحول قائم ہو گیا تھا اور تاج المآثر، تاریخ فخر مدبر، آداب الحرب و الشجاعۃ، لباب الالباب، طبقات ناصری، فوائد الفواد، احمد زنجانی (۷۳۵ھ) کی تحفۃ الواصلین

جیسی کتابیں اس عہد کی اہم تصنیفات تھیں ۔

ساتویں صدی ہجری کے اختتام پر عہد خلجی کا آغاز ہوا ۔ برصغیر میں یہ عہد اپنی پیش رو سلطنت کی نسبت زیادہ اسلامی اور معیاری تھا ، جس کے نتیجے میں جملہ اسلامی فنون کو بھی ترقی ہوئی ۔ جہاں تک خطاطی کا تعلق ہے ، اس کا معیار بھی خاصا بلند ہوا ۔ اس عہد کے نمونے ، عمارتی کتبات ، مخطوطات ملفوظات ، فرامین اور سکّہ جات پر موجود عبارات کی صورت میں مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں ۔ تاریخ فیروز شاہی میں اس عہد کے بعض مصوّر و مُطلّا اور مُذہّب مخطوطوں کا ذکر بھی ملتا ہے ۔ ملک علاؤ الدین اور شہاب الدین خطاطوں کا تذکرہ بھی موجود ہے ۔ بلکہ اس عہد میں بعض ایسے اداروں کا ذکر بھی ملتا ہے جو خطاطی کے نمونے تیار کرتے تھے ۔ اس عہد کا ایک نمونہ بیانہ میں ایک کتبہ مغیث الدین کے متعلق ہے جو اعلیٰ خط میں ہے ۔ اس عہد کے نمونوں کے تجزیہ سے طرز نسخ و ثلث مقبول عام نظر آتی ہے ۔

تغلق عہد میں خطاطی کی یہی کیفیت نظر آتی ہے ۔ بقول برنی اس عہد کے ہر شہر میں امدادی مساجد قائم ہو گئیں تھیں ، جن میں کتاب خانوں کا قیام لازمی تھا ۔ یہ کتابیں اکثر ماہر خطاطوں کی لکھی ہوتی تھیں ۔ بقول فرشتہ شہزادوں کو عام طور پر ابتدا میں خطاطی کی تعلیم دی جاتی تھی ۔ سلطان محمد تغلق مکاتیب اور مراسلات عربی اور فارسی میں قلم برداشتہ لکھتا تھا اور ایسا خطاط تھا کہ بڑے بڑے اساتذۂ فن اس کے کام کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے تھے ۔ ابن حجر عسقلانی کے بقول اعلیٰ اساتذۂ فن کے نمونوں کو یہاں درآمد بھی کیا جاتا اور پھر ان کو بڑی احتیاط سے شاہی کتب خانوں میں محفوظ کر لیا جاتا تھا ۔ خط بہار میں زیادہ تر قرآنی مخطوطات اسی دور میں ملتے ہیں ۔

اسی طرح راجپوتانہ مارواڑ کے علاقے میں مقام ناگور سے ملنے والے کتبات میں سے خواجگی بن منہاج الاصفی کا کتبہ ۷۸۶ھ ، گجرات کاٹھیاواڑ میں دریائے نربدا کے کنارے مقام بھڑوچ کی عیدگاہ کتبہ محمد تغلق ، احمد آباد میں دروازہ شاہ پور کے اندر مسجد کا کتبہ عبدالحی بن علی ۹۳۴ھ ، مدرسہ خواجہ محمود گاواں کی پیشانی پر علی الصوفی کا کتبہ ۸۸۶ھ ، بیدر میں چشمہ شاہی پر درویش حسینی مشہدی کا کتبہ ۹۱۱ھ ، احمد شاہ ولی بہمنی کے گنبد کا کتبہ خواجگی شیرازی ۹۸۴ء ، مقام تھانیسر خاندیس میں کتبہ مصطفےٰ خان ۱۱۶۱ھ ، برہان پور میں عادل شاہ بن مبارک شاہ فاروقی کی تعمیر کردہ مسجد کے کتبے پر کاتب کا نام مصطفےٰ بن نور عطا کی تاریخ کو پیش کرتے ہیں ۔

یہ کتبات بطرزِ طغرا، بخطِ کوفی، ثلث اور نسخ وغیرہ میں ہیں اور خطاطی کا اعلیٰ نمونہ ہیں ۔ لاہور عجائب گھر میں عہدِ فیروز شاہی کا ایک کتبہ قدیم نسخ کا نمونہ ہے، جو بویانور ترینی لوبیانی نے ایک مسجد پر ۷۷۰ھ میں نصب کرایا تھا۔ اس کتبے کو حسن جبر جبیس نامی شخص نے کندہ کیا تھا۔ مشہور کاتب عبداللہ ہروی (متوفی ۸۸۰ھ) اسی عہد میں بغداد کی تباہی کے بعد ہندوستان آیا اور یہاں امرا اور وزرا کا مقرب ہوا۔ اس نادرِ روزگار خطاط نے ۱۲۵ قرآن مجید اپنی یادگار چھوڑے ۔

عہدِ لودھی کی خطاطی کے ارتقا کا پتا اس دور کے عمارتی کتبات، شاہی فرامین، سکوں اور مخطوطات سے چلتا ہے۔ اس عہد میں علم وفضل کی شاہی سرپرستی جاری رہی۔ اعلیٰ پائے کی لائبریریوں کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ بابر نے اپنی توزک میں اس عہد کے ایک کتب خانے کا ذکر کیا ہے جو نہایت نادر اور کمیاب قلمی مخطوطوں پر مشتمل تھا۔ بابر نے اس کا کچھ حصہ اپنے لیے رکھا اور کچھ حصہ ہمایوں اور کامران کو دیا۔ اس عہد کے عمارتی کتبات بیانہ کے مقام پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس زمانے کے رسم الخط کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ زیادہ تر ایک رُخ کی نسخ ہے اور یہاں کے لوگ ابھی خطِ نستعلیق کے عادی نہیں ہوئے تھے ۔

تیسرا دور :

برصغیر میں خطاطی کے ارتقا کا تیسرا دور بابر کی فتح ہندوستان (۱۵۲۶ء) سے شروع ہو کر وفاتِ اورنگ زیب (۱۷۰۷ء) پر ختم ہوتا ہے۔ یہ دور برصغیر کی تاریخ میں مغلیہ دورِ حکومت کے نام سے موسوم ہے۔ اس دور میں تعلیم، ادب، تعمیر، مصوری، اور دیگر فنون میں قابلِ قدر کارنامے انجام پائے لیکن اس دور میں خطاطی نے عروج کے جو دن دیکھے وہ نہ تو اس سے پہلے دیکھے اور نہ اس کے بعد دیکھنا نصیب ہو سکے۔ اکثر مغل حکمران یا تو خود ماہر خطاط تھے یا پھر خطاطی کے دلدادہ تھے۔ اُنھوں نے اس فن کی نشو و ترقی کی طرف دیگر فنون کی طرح توجہ دی۔ خطاط اساتذہ کی سرپرستی کی اور ان کے فن پاروں کو شاہی لائبریری کی زینت بنایا۔ آرائشِ عمارات میں اس عہد میں خطاطی جس پیمانے پر استعمال ہوئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ دھات، روغنی برتنوں، روغنی ٹائلوں، پیپرماشی اور چوبی اشیا کے ظاہری حسن کو خطاطی کے مختلف نمونوں سے اجاگر کیا گیا۔ خطاطی کے اس دَور کو برصغیر کی تاریخ میں "سنہری دور" کا نام دینا چاہیے۔ خطِ بابری اسی خاندان کے بانی شہنشاہ بابر نے ایجاد کیا۔ اس زمانے میں خطِ نستعلیق برصغیر میں وارد ہوا۔ اس خط کی ترویج نے برصغیر کی تاریخِ خطاطی میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ اس نووارد

خط کے بانکپن، شستگی، نزاکت اور لطافت سے فنِ خطاطی میں مصوری سے کہیں زیادہ دلکشی، رعنائی اور جاذبیت پیدا ہوگئی۔ اپنی انہی خوبیوں کی بنا پر یہ خط بہت جلد خطِ نسخ سے کہیں زیادہ مقبولِ عام ہوگیا۔ اسی دور میں عہد شاہجہانی میں خطِ شکستہ کی ایجاد سے خطاطی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ اس عہد میں ہمیں بکثرت، نسخ، ثلث، نستعلیق کے کتبات نویس مل جاتے ہیں جن کی تحریریں اس فن کے باکمال نمونے ہیں۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ مغلیہ سلطنت کا بانی خود ایک نئے خط کا موجد تھا۔ وہ کاتبوں میں بھی بڑی دلچسپی لیتا تھا۔ جب وہ برصغیر آیا تو اپنے ساتھ بہت سے علما اور خطاط بھی لایا جو دبستانِ ہرات کے اساتذہ میں سے تھے۔

بابر نے قرآن مجید کا ایک نسخہ کتابت کرکے مکہ معظمہ بھیجا۔ خطِ بابری میں قرآن مجید کا یہ نسخہ کتاب خانہ آستان قدس، مشہد میں موجود ہے۔ (عدد ۔ ۵) ۔ علاوہ ازیں مولانا شہاب الدین ہروی اس عہد کے مشہور خطاط تھے۔

ہمایوں اگرچہ مصائب میں مبتلا رہا لیکن خطاطی میں اس کی دلچسپی برابر قائم رہی۔ بدایونی کے مطابق میر عبدالحی مشہدی اور اس کا بھائی میر عبداللہ قانونی ہمایوں کے ترجمانِ خاص میں سے تھے ۔ میر عبدالحی خطِ بابری کا بہت ماہر تھا۔ میر علاءُ الدین کافی قزوینی کے تذکرہ نقائس المآثر میں لکھا ہے کہ میر مذکور نے جتنی جلدی اور جتنی خوبی کے ساتھ "خط مشکل نویس بابری" کو سیکھا کوئی اس طرح نہ سیکھ سکا۔ مشہور خوش نویس علی الکاتب بھی عہد ہمایوں (۹۳۷ھ/۱۵۳۰ء تا ۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء) کے درباری کاتبوں میں شامل تھا۔ تزک بابری کے فارسی ترجمے کی کتابت اسی کاتب نے ۹۳۷ھ میں کی۔ خوب صورت نستعلیق میں یہ نسخہ ریاست الور کے کتاب خانے میں محفوظ ہے۔

ہمایوں جلاوطنی کے زمانے میں جب ایران میں تھا تو وہاں اس کی ملاقاتیں بعض ماہر خطاطوں اور مصوروں سے ہوئیں۔ خواجہ عبدالصمد شیریں قلم اور میر سید علی تبریزی کی ماہرانہ خطاطی سے وہ بہت متاثر ہوا۔ برصغیر واپس آیا تو انھیں اپنے ساتھ لے آیا۔ ان خطاطوں نے شاہی سرپرستی میں خطاطی کی روایت کو اعلیٰ پایہ پہ پہنچایا۔ اس عہد کا ایک اور نامور خطاط خواجہ سلطان تھا جو بعد ازاں اکبری دربار سے وابستہ ہوا تو اکبر نے اسے 'افضل خاں' کا خطاب دیا۔ اس عہد کے خطاط کمال ابنِ شہاب کا ثلث اور نسخ کا

(۲)

ایک نمونہ لاہور کے عجائب گھر میں محفوظ ہے

ہمایوں کا بھائی مرزا کامران بھی خطاطی میں بڑی دلچسپی رکھتا تھا۔ بابر نے فتح ہندوستان کے دوران قلمی کتابوں کا جو ذخیرہ حاصل کیا اس کا ایک حصّہ مرزا کامران کو بھی ارسال کیا تھا۔ کامران کا دودھ بھائی محرم بھی خط نستعلیق میں بہترین کاتب تھا۔ اس کا نہایت خوش خط نستعلیق میں لکھا ہوا مراۃ القدس کا نسخہ لاہور عجائب گھر میں موجود ہے۔

اکبری دور بہ یک وقت خطاطی اور مصوری کے فروغ کا دور تھا۔ عہد ہمایوں کے خطاط اور بعض دوسرے ماہرین کتابت اکبر (۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء تا ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) کے دربار سے وابستہ ہوئے اکبر نے فن خطاطی کی بہت حوصلہ افزائی کی۔ خطاطوں کو جاگیریں، منصب اور خطابات سے نوازا اور دفتر انشا میں ان کو مختلف عہدوں پر سرفراز کیا۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں عہد اکبری کے اساتذۂ خط نستعلیق کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ "محمد حسین کشمیری جو خطاب زریں رقم سے روشناسِ آفاق ہے اور مولانا عبدالعزیز کا شاگرد ہے لیکن وہ اس فن میں اپنے استاد سے بھی سبقت لے گیا۔ اس کی مدیں، دائرے سب متناسب ہیں۔ اس کے علاوہ خطاط یہ ہیں: مولانا محمد باقر، امین مشہدی، میر حسین کلنگی، مولانا عبدالحی، مولانا دوری، مولانا عبدالرحیم، میر عبداللہ نظامی قزوینی، علی چمن کشمیری، نوراللہ، قاسم ارسلان"۔ اس عہد میں محمد حسین زریں رقم نے گلستان سعدی کی کتابت کی۔ یہ نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن میں موجود ہے۔ ہرن مینار پر اسی کاتب کے کتبات نصب کیے گئے تھے۔ علاوہ ازیں زریں رقم نے اکبر کے حکم سے آئین اکبری کا پورا نسخہ لکھا تھا، جس میں مشہور مصوروں نے تصویریں بنائی تھیں اور اس نسخے پر تین لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔

شجاع ٹھٹھوی اکبری عہد کا مشہور خطاط تھا۔ عبدالرحیم خانخاناں نے سندھ فتح کیا تو اس کا کام دیکھ کر تعریف کی اور اسے لائبریرین کے عہدے پر فائز کیا۔

(۳)

عبدالرحیم ہرات سے آکر دربار اکبر سے منسلک ہوا تھا۔ لندن کے مجموعہ جانسن میں ایک وصلی خط نستعلیق میں جس پر "عبدالرحیم اہروی ۱۰۰۶ھ" درج ہے، موجود ہے۔ اس طرح ان کی چند وصلیاں

لاہور عجائب گھر کی البم میں بخط نستعلیق تحریر ہیں۔ عبدالرحیم خانخاناں نے بھی ان کی سرپرستی کی اور اس نے اس کے کتاب خانے کی اکثر کتابیں نقل کیں۔ اکبر کو پیش کرنے کے لیے اس نے خمسہ نظامی کا نسخہ بھی لکھا تھا عنبرین رقم کا خطاب اسے جہانگیر کی طرف سے ملا تھا۔ میر عبداللہ مشکیں رقم اس عہد کا ایک اور مشہور خطاط تھا۔ سندھ کے معروف مورّخ میر معصوم بھکری اور اس کے بیٹے میر بزرگ بھی بڑے باکمال خطاط تھے، فتح پور سیکری اور قندھار میں اکثر کتبات میر معصوم بھکری کی کتابت کا نمونہ ہیں محمد حسین شیرازی نامی ایک اور کاتب بھی اس دور سے متعلق ہے۔ اس کی ایک حمائل شریف مکتوبہ ۱۰۱۰ھ لاہور عجائب گھر میں اور دوسری حمائل شریف نیشنل میوزیم کراچی میں محفوظ ہے۔ یہ دونوں حمائلیں عمدہ نسخ کا نمونہ ہیں۔ محمد حسین لاہوری اور ایک اور کاتب کی حمائلیں بھی نظر سے گزری ہیں جو اس عہد کے عمدہ نسخ کا نمونہ ہیں۔

اکبری عہد میں دیگر نستعلیق لکھنے والوں میں خواجہ شریف بن خواجہ عبدالصمد، بایزید دوری کاتب الملک ملّا میر علی کا پسر مولانا محمد باقر، عنایت اللہ شیرازی استاد ہفت قلم۔ اشرف خاں جو شاعر بھی تھا اور خاص کر دیوانی لکھنے میں ماہر تھا، اس کا اصل نام محمد اصغر (م ۹۷۳ھ / ۱۵۶۵ء) تھا۔ علّامہ میر فتح اللہ شیرازی (م ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء) مظفر علی خنجر بیگ چغتائی، میرزا عزیز کوکلتاش، ملّا عبدالقادر اخوند، محمد یوسف کابلی، خواجہ ابراہیم حسین، حسین بن احمد چشتی، ملا علی احمد مہرکن، پیر محمد ملّاں موزوں، میرزا عبدالرحیم خانخاناں، عبدالرحیم نام کے اور بھی کاتب ملتے ہیں، جن میں عبدالرحیم ناگوری اور عبدالرحیم روشن قلم، عبداللہ مشکیں قلم جو خطاطی میں مولانا شاہ عنایت اور مولانا راقمی کے تلمیذ تھے۔ اکبر نے ان کو "مشکین قلم" کا خطاب دیا تھا۔ خاص طور پر عبدالحق شیرازی ثلث لکھنے میں بہت ماہر تھا۔ اسی نے اکبر کے مرقد کے تمام کتبات لکھے اور آگرہ میں تاج محل پر بھی خط ثلث میں تمام کتبات لکھے، اسے امانت خان شیرازی کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ سلطان محمد سمرقندی، نوراللہ، شیخ میر محمد، شیخ عبدالوہاب (م ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء)، میر صفائی، بیرم خاں اتالیق اکبر اور منعم خان قابلِ ذکر خطاط تھے۔

عہد جہانگیری (۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء تا ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء) میں مصوّری اور خطاطی کے فنون برابر سرِفہرست رہے۔ جہانگیر مصوّری کی باریکیوں کو بھی جانتا تھا اور خطاطی میں بھی ماہرانہ نظر رکھتا تھا۔ اس دور میں خط نسخ اور نستعلیق نے بہت فروغ پایا۔ نستعلیق کے عمدہ نمونے اس عہد کے چاندی کے

سکوں پر بھی دیکھنے جا سکتے ہیں۔ اس عہد کے مشہور خطاطوں میں میر عبداللہ تبریزی مشکین قلم، خواجہ محمد شریف، محمد حسین کاشمیری، مرزا محمد حسین، شہزادہ خسرو بن جہانگیر، شہزادہ پرویز بن جہانگیر، محمود بن اسحاق الہروی، احمد علی راشد، عبدالکریم وغیرہ نامور خطاط پیدا ہوئے۔

محمد مراد شیریں قلم کو عہد جہانگیری کا بہترین خطاط قرار دیا جا سکتا ہے۔ بعدازاں شاہجہان نے شیریں قلم کی شہرت سُن کر اُسے اپنا درباری کاتب مقرر کیا۔ اس کے قلم کی شیرینی نے مشتاقوں کو مالا مال کر دیا اور یہی خصوصیت بعد میں کشمیری قلم کا امتیاز قرار پائی۔ چنانچہ اس خط کو اس کے لقب سے منسوب کر کے کشمیری قلم کی اُن خوبیوں کو خراج تحسین پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کے سب سے مستند نمائندے محمد مراد ہیں اور جن کی وجہ سے کشمیری قلم کی انفرادیت ناقدانِ فن کو بار بار تسلیم کرنا پڑی ہے۔

عہد شاہجہانی (۱۰۳۷ھ/ ۱۰۶۶ھ) میں خطاطی کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اگرچہ شاہجہان نے بنیادی طور پر فن تعمیر میں اپنی دلچسپی کا زیادہ مظاہرہ کیا، لیکن اس نے تاج محل کی پیشانیوں کو مشہور اساتذۂ فن کے فن پاروں سے آراستہ کرا کے اس فن کو ہدیۂ عقیدت پیش کیا۔ اس عہد کی سکّوں پر عبارتیں خطِ نستعلیق کا خوب صورت نمونہ ہیں۔ اس عہد کا بڑا کارنامہ خطِ شکستہ کی ایجاد و رواج تھا۔ عبدالحق شیرازی عرف امانت خان، تاج محل پر اپنی فن کاری کی وجہ سے شہرتِ دوام سے ہم کنار ہوا۔ اسی زمانے میں ایران کا نستعلیق کا معروف اُستاد عبدالرشید دیلمی جو میر عماد کا بھانجا تھا، ایران سے نقل مکانی کے بعد شاہجہانی دربار میں داخل ہوا اور شاہی کاتب کے منصب پر فائز ہوا۔ اسے دارا شکوہ اور دیگر شہزادوں اور شہزادیوں کا استاد مقرّر کیا گیا اور اس نے نستعلیق میں منفرد مقام حاصل کیا۔

عہدِ شاہجہانی

اس نامور خطاط کے کچھ نمونے متعدد عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔ لاہور عجائب گھر میں اُن کا تحریر کردہ ایک دیوان حافظ حال ہی میں محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ ان کے قیام ایران کے زمانے میں ۱۰۲۹ھ کی خطاطی کا نمونہ ہے۔ علاوہ ازیں لاہور عجائب گھر میں ان کی ایک وصلی اور ایک وصلی کی نقل بھی محفوظ ہے۔

عبدالباقی یاقوت رقم، امیر محمد صالح، میر محمد مومن، محمد مراد، وغیرہ دوسرے نامور اساتذہ اس دور میں موجود تھے۔ حکیم رکن الدین رکنہ کاشی نے گلستانِ سعدی کا ایک نسخہ لکھا جو اس وقت انگلستان میں

چیسٹر بیٹی کے مجموعے میں محفوظ ہے۔ اس نے ربیع الاوّل ۱۰۳۹ھ / ۱۶۲۹ء) میں بوستان کا جو نسخہ آگرہ میں لکھا وہ نہایت عمدہ نستعلیق جلی خط میں ہے۔ یہ نسخہ عجائب گھر برطانیہ میں موجود ہے۔ سید علی خان تبریزی اورنگ زیب کو خطاطی سکھانے پر مامور ہوا اور جواہر رقم کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ علاوہ ازیں اس عہد کے مشہور خطاط شمس الدین خان، عنایت اللہ زریں رقم اور میر محمد باقر وغیرہ تھے۔

عبدالغفور اس عہد میں ٹھٹھہ کے مشہور کاتب تھے۔ ٹھٹھہ کی شاہی مسجد میں ان کا ایک کتبہ مکتوبہ ۱۰۶۸ھ بخط نستعلیق موجود ہے۔ اس عہد کے ایک اور ماہر خطاط کا کتبہ مکتوبہ ۱۰۶۸ھ بھی شاہی مسجد ٹھٹھہ میں نصب ہے۔

میر شیر علی قانع کے مطابق ٹھٹھہ کے کاتب طاہر بن حسن کا قلم سات طرز خطاطی میں بخوبی رواں دواں تھا اس کا قدیم ترین عمدہ نمونہ شاہی مسجد ٹھٹھہ کی چھت کی ایک ٹائل پر محفوظ ہے، مکلی میں پتھر پر کندہ چھ نمونے بھی اس کے باقیات میں سے ہیں۔

طاہر بن حسن کا بھائی بمبو بن حسن بھی اس وقت کا اچھا کاتب تھا۔ شاہی مسجد ٹھٹھہ کی محراب پر اس کا ایک مورخ نمونہ ۱۰۶۸ھ اس وقت بھی موجود ہے۔

شیخ محمد بن حسن بھی عہد شاہجہانی کا ٹھٹھہ میں بڑا قابلِ قدر خطاط تھا۔ اس وقت کے گورنروں اور شہزادوں کا زیادہ کام یہی خطاط سرانجام دیتا تھا۔ وہ نسخ، ثلث و نستعلیق میں یکساں مہارت رکھتا تھا۔ شرفا خاں (۱۰۴۸/۱۶۳۸) اور عیسیٰ خاں ثانی کے مقابرہ پر تمام قرآنی کتبات اس کے مشقِ فن کا نتیجہ ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ خطاط عہد عالمگیری کے ابتدائی چند سالوں میں بقیدِ حیات تھا۔

عہدِ عالمگیری

علاوہ ازیں میر شیر علی قانع نے سید علی کو عہدِ عالمگیری کا ایک مسلمہ ہفت قلم استاد لکھا ہے۔ وہ ثلث، طغریٰ اور نستعلیق میں خصوصاً یدطولیٰ رکھتا تھا۔ اس کی مختلف باقیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ٹھٹھہ میں ۱۰۹۷/۱۶۸۵ --۱۱۱۱/۱۶۹۹ تک مصروف عمل رہا۔ اس کا ایک مورخ نمونہ شاہی مسجد ٹھٹھہ کی مشرقی دیوار پر موجود ہے۔ وہ مشہور خطاط استاد الیاس کا شاگرد تھا۔

اس عہد میں شیخ محمد فاضل ٹھٹھہ میں ایک نہایت نامور خطاط تھا۔ بقول میر شیر علی قانع ثلث

نویسی میں کوئی اس کا ثانی نہ تھا ۔ وہ دہلی جاکر شاہی ملازمت میں شامل ہوگیا۔ عالمگیر نے اُسے میر منشی کے عہدے پر ترقی دی ۔ اس کا ایک مورخ کتبہ (۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۲ء) شاہی مسجد ٹھٹھہ پر موجود ہے ۔

اورنگ زیب عالمگیر کا عہد خطاطی کی نشوونما کا عہد تھا ۔ مصوری میں اس کی عدم دلچسپی سے خطاطی کے فروغ کی راہ مزید ہموار ہوئی ۔ اورنگ زیب عالمگیر خود بہت بڑا خطاط تھا ۔ اس نے ایام شہزادگی ہی میں ایک قرآن پاک تحریر کیا جسے مطلّا و مُذہّب کرا کے مسجدِ نبوی (مدینہ منورہ میں) ارسال کیا ۔ تخت نشینی کے بعد بھی ایک مصحف پاک لکھا ۔ اسے بھی مطلّا و منقش کرا کے کعبۃ اللہ کی نذر کیا ۔ عہد عالمگیری میں ہدایت اللہ زریں رقم ، سید علی جواہر رقم ، محمد باقر ، مرزا محمد جعفر ، کفایت خان محمد اشرف مائز ندرانی ، مولانا شاکر ، عبدالرحمٰن اور عبدالرحیم فرمان نویس وغیرہ بلند پایہ خوش نویس تھے ۔

اگر ہم اس دور کی خطاطی کا تجزیہ کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس عہد کی خطاطی ایرانی طرز کی مقلّد اور اس سے متاثر ہے اور اس میں دوائر ، مدّات اور نقاط وغیرہ میں ایرانی طرز تحریر کا تتبع عام ہے ۔ اس عہد کے خطاطوں نے بالخصوص طرزِ نستعلیق میں حُسن اور اس سے کہیں زیادہ پاکیزگی و رعنائی پیدا کی ۔ بلاشبہ مغلیہ دور کا یہ زمانہ برصغیر میں خطاطی کے ارتقاء و ترویج کا زمانہ ہے ۔

چوتھا دور :

خطاطی کے ارتقاء کے چوتھے دور کا آغاز اورنگ زیب کی وفات (۱۷۰۷ء) کے ساتھ شروع ہوا جو ۱۸۵۷ء کو اختتام پذیر ہوا ۔ یہ دور برصغیر میں مرہٹوں کی لوٹ مار ، سکھوں کی سکھ گردی اور بیرونی حملہ آوروں کی لپیٹ میں رہا ۔ مغلوں کی سلطنت کی مرکزی کمزوری کے بعد دارالحکومت آگرہ سے دہلی منتقل ہوگیا ۔ مغلوں کے ابتدائی عروج کے دور میں آگرہ کے بعد لاہور ملک کا دوسرا دارالسلطنت تھا ۔ اکثر امرا یہیں مقیم رہے ۔ مغل سربراہ بھی عموماً یہیں قیام کرتے تھے ۔ حکمرانوں کی اس نقل و حرکت کی وجہ سے درباری کاتب دوسرے شہروں کے کاتبوں اور ان کے فن سے باخبر رہتے ۔ وہ اپنے اثرات چھوڑتے اور دوسروں کے اثرات قبول کرتے تھے ۔ مزید براں ایران کی طرف سے خطاط حضرات کا داخلہ برابر جاری رہا ، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس دور میں ایرانی اور ہندوستانی اور خود ہندوستان کے مختلف شہروں کی خطاطی میں بڑی یکسانیت پائی جاتی تھی ۔ اس دور میں مرکز کی کمزوری ، شاہی سرپرستی کی کمی اور ایران سے آمد و رفت کے سلسلے کی کمی ، اور ایران سے آمد و رفت کے سلسلے کی کمی ایسے اسباب تھے ، جن کی بنا پر خطاطی میں

انفرادی صلاحیتیں اور مقامی رنگ زیادہ زور سے بروئے کار آیا۔ شاہی سرپرستی سے محرومی کی بنا پر انفرادی وسائل اور علاقائی حکومتوں کی سرپرستی پر انحصار کا دور آیا۔ ان حالات میں عہد گزشتہ کی شانِ خطاطی برقرار نہ رہ سکی، تاہم اس عہد میں چند ایسے نامور خطاط پیدا ہوئے جنھوں نے خطاطی کی دُنیا میں ایک منفرد مقام پیدا کیا۔ محمد افضل لاہوری "آقائے ثانی"، میر پنجہ کش دہلوی اور حافظ نور اللہ لکھنوی اس دَور کے آسمانِ خطاطی کے درخشاں ستارے ہیں۔ محمد حفیظ خاں، محمد مقیم، میر محمد موسیٰ سرہندی، نواب مرید خان، مولوی لیاقت علی، قاضی عصمت اللہ خاں، میر گدائی، حافظ ابوالحسن، میر کرم علی، حافظ مسعود، حافظ عنایت اللہ مبروص، فیض اللہ خاں، میر سوز (مشہور اُردو شاعر) حافظ نور اللہ، قاضی نعمت لاہوری، مولائی صاحب، میر محمد حسین، حافظ ابراہیم، غلام علی خان، حافظ بقاء اللہ دہلوی میر ابوالحسن المشہور بہ میر کلن، میر زین العابدین، میر مہدی، شاہ وارث علی، خواجہ غلام نقشبند، مولانا غلام محمد ہفت قلمی دہلوی مؤلف "تذکرۂ خوش نویساں" عماد الملک غازی الدین، فیروز جنگ خطاط ہفت قلم، آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر اور ان کے نامور شاگرد حافظ امیر الدین و مولانا ممتاز علی نزہت رقم، خطِ نستعلیق کے جلیل القدر خوش نویس سید محمد امیر رضوی عرف میر پنجہ کش شہید جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء اور ان کے تلامذہ میں آغا میرزا دہلوی اور عباد اللہ بیگ جیسے بلند پایہ خوش نویس پیدا ہوئے۔ بدر الدین علی خان مرصع رقم جو مُہر کنی میں بے مثال تھے، اس زمانے کے کاتب تھے۔ اس عہد میں لکھنؤ حافظ نور اللہ اور قاضی نعمت اللہ کے وجود سے خطاطی کے ایک منفرد سکول کی حیثیت سے اُبھرا جو لاہور اور دہلی کی روش سے یکسر مختلف پُرانی ایرانی روشِ خط کا پیرو تھا۔

پانچواں دور:

خطاطی کی پانچویں دور میں لاہور، دہلی اور لکھنؤ دبستانِ خطاطی کی حیثیت سے امتیازی صورت اختیار کرنے لگے۔ لکھنوی روش کو جہاں پر حافظ نور اللہ نے چھوڑا تھا، منشی شمس الدین اعجاز رقم نے اس کو آگے بڑھایا۔

دہلی سکول میر پنجہ کش، حافظ امیر الدین اور مولوی ممتاز علی نزہت رقم کی روش کو نہیں بھولا تھا کہ بیسویں صدی کے آغاز میں ضلع گوجرانوالہ کے نواحی موضع جنڈیالہ سے محمد الدین مرحوم دہلی تشریف لے گئے۔ ان کے صاحبزادے محمد یوسف جو اس وقت پندرہ سولہ سال کے تھے، ان کے ہمراہ دہلی گئے

اس ذہین و فطین خطاط کی وجہ سے دہلی طرزِ تحریر میں باقی سکولوں سے امتیاز حاصل کر گیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد محمد یوسف دہلوی ہجرت کر کے کراچی آ گئے اور اس طرز کو وہاں رواج دیا۔ اس وقت کراچی میں عبدالمجید سیّد امتیاز علی اور عبدالرشید رستم قلم اس طرز کے بہترین نمائندے ہیں۔

لاہور کے دبستان خطاطی میں امام ویردی ؒ سے خطاطی کی نشأۃ ثانیہ کا آغاز ہوا۔ جلی خط میں ان کا انداز منفرد اور دلنشین تھا۔ خطِ نستعلیق میں وہ مولوی سید احمد امین آبادی کے پیرو تھے۔ احمد علی کشمیری اس طرزِ تحریر کے ایک اور نمائندہ تھے۔ عبدالمجید پروین رقم نے اس طرز کو مزید آگے بڑھایا۔ ان کی جدّت پسند طبیعت، خلاق ذہن اور نرم و نازک انگلیاں وغیرہ لاہوری دبستانِ خطاطی کے قیام کا باعث بنیں۔ ان کا یہ طرزِ تحریر، حروف کی ساخت اور پیوندوں کی دلکش ترمیموں پر مشتمل تھا، جس میں بے ساختگی، گداز، لوچ اور روانی پائی جاتی تھی۔ حروف اُجلے اُجلے، نکھرے نکھرے اور خوب اجاگر۔ دبستان لاہور کا موجد یہ عظیم خطاط ۱۹۴۶ء میں اللہ کو پیارا ہوگیا۔

عبدالمجید پروین رقم کا خط علامہ اقبال کو بھی بہت پسند تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی کتابوں بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم، رموزِ بے خودی، اسرار و رموز، پیام مشرق، زبور عجم، جاوید نامہ، مسافر، مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق مع مسافر، ارمغان حجاز وغیرہ کی کتابت پروین رقم ہی سے کروائی۔ یہ کتابیں پروین رقم کی نستعلیق کا عمدہ نمونہ ہیں۔ پروین رقم کے دو نمونے جلی قلم سے لاہور عجائب گھر میں محفوظ ہیں جو اُن کے عمدہ طرزِ خط کے بہترین عکاس ہیں۔

(۸)

انگریزی دور میں برصغیر کے مختلف شہروں میں بڑے بڑے مطبعے قائم ہوئے۔ ہر مطبعے کی کامیابی کا راز اس میں مضمر تھا کہ اس کا کاتب عمدہ خوش نویس ہو، چھپائی صاف اور روشن ہو۔ سیاسی حالات کے دگرگوں ہونے سے حالات کے موافق کاتب خطاطی کو ذریعۂ معاش بنانے پر مجبور ہو گئے، طباعتی مجبوری کی بنا پر جوڑ، پیوند، مدات اور کشش میں تصرفات کر لیے گئے۔ مثلاً ص، ط، اور م کی کششیں جو متقدمین نے خوب صورتی کی بنا پر جائز قرار دی تھیں متروک قرار پا گئیں۔ زاید مد و زاید نقاط جو جگہ پُر کرنے یا خوش نمائی کی غرض سے لگائے جاتے تھے یا ایک ہی نقطے سے ایک سے زاید

نقطے کا کام لیا جاتا تھا یا صحیح مقام کے بجائے دوسری جگہ نقطہ لگا دیا جاتا تھا، یہ سب چیزیں نامناسب ٹھہرائی گئیں۔ پڑھائی کی آسانی اور کتابت کی یکسانیت کے پیشِ نظر پنجاب کے اہلِ قلم حضرات نے نستعلیق رسمِ خط میں ضروری ترمیمات کیں۔ مثلاً یائے معروف مدوّر لکھی جائے، یائے مجہول ماقبل مفتوح نصف دائرے کی ہو۔ یائے مجہول ماقبل مکسور دراز، نون غنہ میں نقطہ نہ لگایا جائے، ہائے مخلوط دو چشمی ہو، واوٴ معروف پر الٹی علامت جزم ہو، کاف فارسی کے لیے دو مرکز کا لزوم وغیرہ۔ بعض انگریزی رموز و اوقاف کا استعمال، ہر لفظ جداگانہ لکھنا لازمی، متشابہ حروف کے لیے اعراب لگانا وغیرہ۔ عام طور پر عربی کتابوں اور قرآنی طباعت کے لیے نسخ اور عام کتابوں کے لیے نستعلیق اختیار کر لیا گیا۔ مرکز کی عدم موجودگی، علاقائی انتشار کی بنا پر خطاطی دیگر فنون کی طرح چنداں قابلِ توجہ نہ رہی۔ لیکن اس کے باوجود دہلی، لکھنؤ، لاہور میں انفرادی طور پر کاتب کچھ نہ کچھ خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اس دور میں ریاست جموں، پٹیالہ، الور وغیرہ میں شاہی سرپرستی کے باعث بعض نادرہ روزگار کتابیں کتابت ہوئیں۔ ایسی کتابوں میں امام ویردی کی مکتوبہ گلستان و بوستان (مملوکہ نیشنل میوزیم کراچی) کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس دور میں پشاور کے نقی، تقی اور غلام غوث تین کاتب بھی قابلِ ذکر ہیں۔ تقی پشاوری خطِ نستعلیق کے استاد تھے اور ان کے نمونے پشاور اور دیگر عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔ نقی پشاوری نستعلیق عمدہ لکھتے تھے۔ جلی قلم سے تحریر کریما کا ایک نسخہ لاہور عجائب گھر میں ہے۔ یہ نسخہ جلی قلم میں تحریر ہے چھ سطور فی صفحہ ہیں۔ کل چونتیس اوراق ہیں۔ سائز فی صفحہ ۲۴ × ۱۸ سم ہے۔ کاغذ کشمیری اور متن کے علاوہ پورا نسخہ منقش اور کثرتِ نقاشی کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس نسخے کا ترقیمہ یوں ہے۔ " پاسخاطر اہلیت سرشت قابلیت سرنوشت ارادت آہنگ سلطان سنگھ عجالۃ الوقت قلمی شد۔ حررہ محمد نقی پشاوری غفر اللہ لہ و لابیہ چہاردہم ماہ مانگھ سمت ۱۹۱۳ در حویلی راجہ صاحب کلاں بہادر راجہ تیج سنگھ جی دام اقبالہ واقع شہر امرتسر جی "

چھٹا دور:

قیامِ پاکستان کے بعد خطاطی نے ایک اور رُخ اختیار کیا۔ منشی تاج الدین زریں رقم مرحوم نے طرزِ پروینی کو فروغ دیا۔ ابتدائے قیامِ پاکستان میں حاجی دین محمد مرحوم نستعلیق طغرا نویسی، انتہائی جلی و زود نویسی میں لاثانی تھے۔ محمد صدیق الماس رقم مرحوم لاجواب نستعلیق نویس تھے۔ ابن پروین رقم مرحوم خطاطی میں اپنے والد کے پیروکار تھے۔ لاہور میں اس وقت حافظ محمد یوسف سدیدی، سیّد انور حسین نفیس رقم، صوفی خورشید عالم خورشید رقم۔ خورشید سدیدی محمود سدیدی خوشی محمد ناصر قادری خوش

رقم اور ان کے شاگردوں کی وجہ سے فنِ خطاطی میں پورے پاکستان کی توجہ کا مرکز بن گیا ہے۔ چنانچہ طرزِ پروینی جو طرزِ لاہوری کے نام سے بھی موسوم ہے، کراچی کے سوا پاکستان کے تمام شہروں میں رائج ہے۔
حافظ یوسف سدیدی اس وقت لاہور کے دبستانِ خطاطی کے سرکردہ اساتذہ میں سے ہیں۔ گذشتہ کئی سالوں سے یہ اس پاکیزہ فن کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اُنھیں اگر اس صدی کے خطاطوں کا امام کہا جائے تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا۔ ان کی نرم و نازک انگلیاں جب ان کے ذہن کے اشارے پر چلتی ہیں تو کوفی، کوئی مرصع، کوئی مقفل، کوئی مربعی، ثلث، ریحان، نسخ، رقاع، تعلیق، نستعلیق شکستہ، دیوانی نہ جانے کیسے کیسے حسین و جمیل خط معرضِ تخلیق میں آتے ہیں۔ لاہور میں قطب الدین ایبک کے مزار پر خط کوفی تزئینی ان کے کام کی اس دور کی عمدہ ترین نمائندگی کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی تحریریں بے شمار مساجد اور مقابر کی پیشانیوں کی زینت ہیں۔ مسجد منصورہ (لاہور) میں ان کی جلی نویسی کا جواب خطاطی کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ خالد یوسفی، علی احمد صابر، رشید بٹ وغیرہ اس وقت ان کے ہونہار اور نامور شاگردوں میں ہیں۔

اسی طرح لاہور کے سید انور حسین نفیس رقم فنِ خطاطی میں اس وقت پاکستان کے ممتاز اساتذہ خط میں سے ہیں۔ ان کا راہوارِ قلم جملہ طرزِ خطاطی میں خوب جولانیاں دکھاتا ہے۔ ان کے خط نستعلیق، ثلث اور نسخ کو تو چومنے کو جی چاہتا ہے۔ مثلث نویسی میں ان کا پایہ کسی ترکی خطاط سے کم نہیں۔ "نفائس القلم" ان کے فن پاروں کا حسین مرقع ہے۔ خط و خطاطی کی تاریخ میں بھی وہ گہرا درک رکھتے ہیں اور اس موضوع سے متعلق ان کے مضامین طلبائے خطاطی کے لیے نہایت استفادے کا باعث بنتے ہیں۔ ان کے والد ماجد سید اشرف علی بھی اس وقت لاہور میں قرآنی خطاطی کرتے ہیں۔ "نفیس رقم مدرسۂ کتابت" اس وقت بھی جاری و ساری ہے۔ ان کے تلامذہ کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ اصغر انیس، انور حسین، طالب حسین، عبدالرشید اور محمد جمیل ان کے شاگردوں کی فہرست میں زیادہ نمایاں ہیں۔

خوشی محمد خوش رقم پروین مرحوم کے شاگردوں میں سب سے نمایاں ہیں۔ صوفی خورشید عالم خورشید رقم (لاہور) اس وقت پاکستان میں نہایت عمدہ نستعلیق لکھنے والے خوش نویس ہیں۔ وہ معروف استادِ خطاطی زرین رقم کے شاگرد اور حافظ یوسف سدیدی کے استاد بھائی ہیں۔ ان کی نستعلیق میں

لکھی ہوئی وصلیاں اپنے نزاکت خط، دائروں کے بانکپن، مدات کی کشش کے لحاظ سے انتہائی منفرد حیثیت رکھتی ہیں۔ موصوف اس وقت بیٹھک کا تباں میں شاگردوں کی ایک معقول تعداد کو فنِ خطاطی سکھاتے ہیں۔ ان کے تلامذہ میں اکرام الحق بہت نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ اس وقت لاہور میں حافظ اعظم، شریف گلزار، جمیل قریشی تنویر رقم اور عبدالواحد نادر القلم وغیرہ اس دور کے اچھے لکھنے والے ہیں۔

مرحومین میں خلیفہ احمد حسین سہیل رقم، محمد بخش جمیل رقم اور ایم ایم شریف آرٹسٹ، فضل الٰہی (ربولا) اور محمود اللہ صدیقی محمود رقم کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

ہندوستان میں خطاطی

۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان میں خطاطی کس مپرسی کے عالم سے دوچار ہوئی۔ یوسف دہلوی دہلی سے کراچی آگئے اور اس طرح ایک روایت وہاں سے منقطع ہوگئی۔ خطاطی کے لیے شاہی سرپرستی کا امکان بھی ختم ہوگیا۔ مسلمانوں کے فنون ایک عالم بے چارگی کی نئی کیفیت سے دوچار ہوئے۔ مسلمانوں کی مقامی تنظیموں اور انجمنوں نے خطاطی سمیت دوسرے اسلامی فنون کے بقاواجرا کی کوششیں کیں۔ پھر بھی اس دور میں بحیثیت مجموعی خطاطی معیار کے اعتبار سے روبہ زوال ہوئی۔ تاہم چند ایک اساتذہ ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے اس فن کی قابلِ قدر خدمت کی۔ ہندوستان میں خطاطی کی مجموعی حالت کے بارے میں بمبئی کے نورالدین آزاد نے جو معلومات بہم پہنچائیں ان سے پتا چلتا ہے کہ خطاط حضرات میں سے لکھنؤ میں محتشم، بمبئی میں فیض مجدد، محمد میاں، سلامت رضوی، افضل اقبال برہانپوری، عبدالسلام مصباح، نورالدین آزاد کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ یہ جملہ احباب خط نستعلیق کے اچھے خطاط ہیں۔ خط نسخ میں دیوبند کے استاد مولانا اشتیاق کا نام بڑا نمایاں ہے۔ بقول نورالدین آزاد انھیں اس صدی کا خط نسخ کا امام کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کے شاگردوں میں مولوی عبدالحق، مولوی محمد یوسف بہاری، محمد یوسف دہلوی وغیرہ شامل ہیں۔

ہندوستان میں اس وقت بعض ادارے خطاطی کے فروغ کے لیے تگ و دو کر رہے ہیں۔ ایسے اداروں میں بمبئی کے ایک بڑے تعلیمی ادارے "انجمن اسلام" کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح، سر فیروز شاہ، طیب جی پیر بھائی، صابر صدیق والے سیٹھ، محمد علی

چھٹائی ، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی وغیرہ نامور شخصیتیں اس انجمن کے سرپرستوں میں رہی ہیں ۔ اس انجمن نے ۱۹۶۰ء میں بچوں کو کتابت سکھانے کے لیے معروف کاتب نورالدین آزاد کی باقاعدہ خدمات حاصل کیں اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے ۔

۱۹۶۷ء میں کتابت کے اس تعلیمی سلسلے کو آگے بڑھانے کے لیے مدرسہ عالیہ فتح پوری (دہلی) کے شیخ الجامعہ قاری سجاد صاحب اور ہمدرد دواخانہ (دہلی) کے سرپرست حکیم عبدالحمید صاحب نے غالب اکیڈیمی میں باقاعدہ کتابت کا سکول قائم کیا جہاں مشہور خوش نویس اعظم خلیق ٹونکی اور مولوی محمد یوسف قاسمی کی خدمات حاصل کیں اور کتابت سیکھنے والے لڑکے اور لڑکیوں کو وظیفہ دیا جانے لگا ۔

حکومت ہند کے محکمۂ تعلیمات نے ترقی اردو بورڈ قائم کیا اور اس شعبے کے تحت کشمیر، پٹنہ ، دہلی ، علی گڑھ ، بمبئی ، حیدرآباد ، لکھنؤ میں مراکز قائم کیے اور ہر شعبے میں سو سے زیادہ لڑکے لڑکیاں زیر تربیت ہیں اور دو سال کی تعلیم مکمل ہونے پر ان کو محکمہ تعلیمات کی طرف سے سند جاری کی جاتی ہے جس سے وہ سیکنڈری ہائی سکول میں خطاطی سکھانے کے قابل سمجھے جاتے ہیں ۔ ان مرکزوں کے ذریعے سینکڑوں لڑکے لڑکیاں خطاطی کو اپنا ذریعۂ معاش بنا چکے ہیں ۔ اردو سکولوں میں کتابت سیکھنا لازمی کردیا گیا ہے ۔

غالب اکیڈیمی (دہلی) تیسرے سال ان طلبا کے لیے جو دو سال تک کتابت میں پختہ ہو جاتے ہیں ، خلیق ٹونکی کے پاس داخلہ منظور کرتی ہے تاکہ انھیں خط نسخ ، خط طغرہ ، خط رقاع اور بعض دیگر خطوط میں مہارت پیدا ہو جائے ۔

حاشیہ از ص ۹۱

۱ ۔ یہ معلومات ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی نے اپنی کتاب " پاک و ہند میں اسلامی خطاطی " مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء (ص ۳) پر درج کی ہیں ۔ لیکن جہاں تک اس کتبے کے نسخ خط میں ہونے کا تعلق ہے وہ محل نظر ہے ۔ اس لیے کہ اکثر محققین کے نزدیک یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ خطِ نسخ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں ایجاد ہوا تھا ۔ اس سے قبل کا یہ کتبہ ممکن ہے خط کوفی میں ہو جو سہواً خط نسخ لکھ دیا گیا ہو ۔ یا پھر یہ کتبہ مسجد کے بانی اور تاریخ تعمیر کی نسبت سے بعد میں لگایا گیا ہو جب کہ نسخ مروّج ہو چکا تھا ۔

کتابیات

۱ - مہدی بیابانی، احوال و آثار خوش نویسان (فارسی) ج - ۲،۱، تہران، دانش گاہ تہران، ۴۶ - ۱۳۴۵ھ

۲ - محمد عبداللہ چغتائی، پاک و ہند میں اسلامی خطاطی، لاہور، کتاب خانہ نورس، ۹۷۶ء

۳ - " " " سرگزشت نستعلیق، لاہور ۱۹۷۰ء

۴ - زبیر احمد و ممتاز علی جون پوری، خط و خطاطی، اکیڈمی آف ایجوکیشن ریسرچ ۱۹۷۱ء

۵ - سنگلاخ، میرزا، تذکرۃ الخطاطین، تبریز، ۱۲۹۱ھ

۶ - احترام الدین شاغل، صحیفہ خوش نویسان، علی گڑھ، ۱۹۶۳ء

۷ - وحید قریشی، ڈاکٹر، 'خط بہار' مجلہ تحقیق، ج: ۱، ص: ۱۷۱، ۲۷۲، لاہور پنجاب یونیورسٹی -

۸ - محمد شفیع، مولوی، صنادید سندھ، لاہور [۱۹۷۰]

۹ - محمد شفیع، مولوی، مقالات مولوی محمد شفیع، ج - ۱، لاہور - مجلس ترقی ادب -

۱۰ - محمد قاسم فرشتہ - تاریخ فرشتہ - مترجمہ عبدالحی خواجہ لاہور - شیخ غلام علی اینڈ سنز - س - ن

۱۱ - محمود علی خاں ماہر، حکیم، علم الحروف باتحقیقات ماہر، دہلی، ۱۹۳۶

۱۲ - غلام محمد ہفت قلمی دہلوی، تذکرہ خوش نویسان (فارسی) کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۹۱۰ء

۱۳ - یوسف بخاری، سید - خطاطی و ہمارا رسم الخط، کراچی، ایچ - ایم سعید کمپنی، ۱۹۵۹ء

۱۴ - تاریخ یمینی (عربی) لاہور - مطبع محمدی پریس - ۱۳۰۰ھ

۱۵ - محمد عوفی، لباب الالباب (فارسی) مطبوعہ ایران - ۱۳۳۵خ

۱۶ - زبیر احمد، خط و خطاطی، اکیڈمی آف ایجوکیشن ریسرچ ۱۹۶۱ء

۱۷ - ممتاز علی جون پوری - سنگلاخ مرزا، تذکرہ الخطاطین، تبریز، ۱۲۹۱ھ

۱۸ - ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ ڈاکٹر سید معین الحق لاہور مرکزی اردو بورڈ ۱۹۶۹ء

۱۹۔ رفیع الدین ہاشمی؛ ڈاکٹر، تصانیف اقبال، لاہور اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۸۲

۲۰۔ نصر بن حسین بیہقی؛ ابوالفضل خواجہ۔ تاریخ بیہقی (فارسی) [تہران] ۱۳۲۴

Mustafizur Rehman, Islamic Calligraphy in Medieval India. (Dacca, 1979)

Zafar Hasan, Specimens of Calligraphy in Dehli Museum of Archaeology, ASIM No 29, (Calcutta:1926)

" " Muslim Calligraphy, Indian Art and Letters, IX, 1935.

Zia-ud-Din, M., Muslim Calligraphy, (Calcutta : 1936)

کمال ابن شہاب (عہد ہمایوں)

مراۃ القدس ۱۶۰۲ھ   کاتب محرم کوکہ میرزا کامران (عہد اکبری)

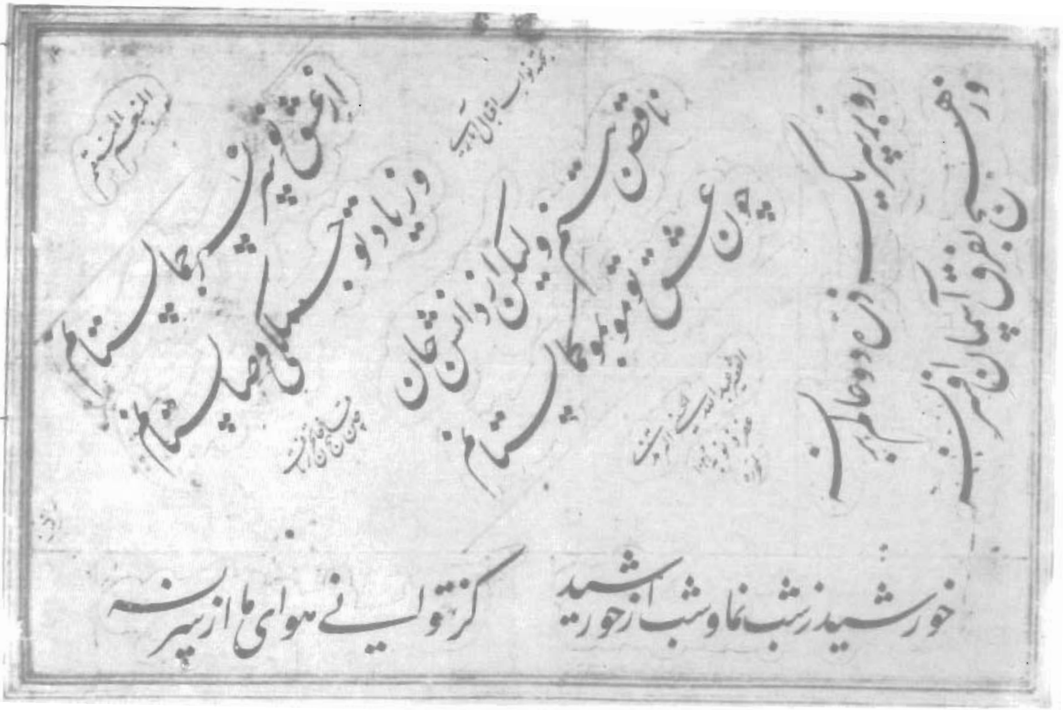
خورشید ز شب نما و شب از خورشید

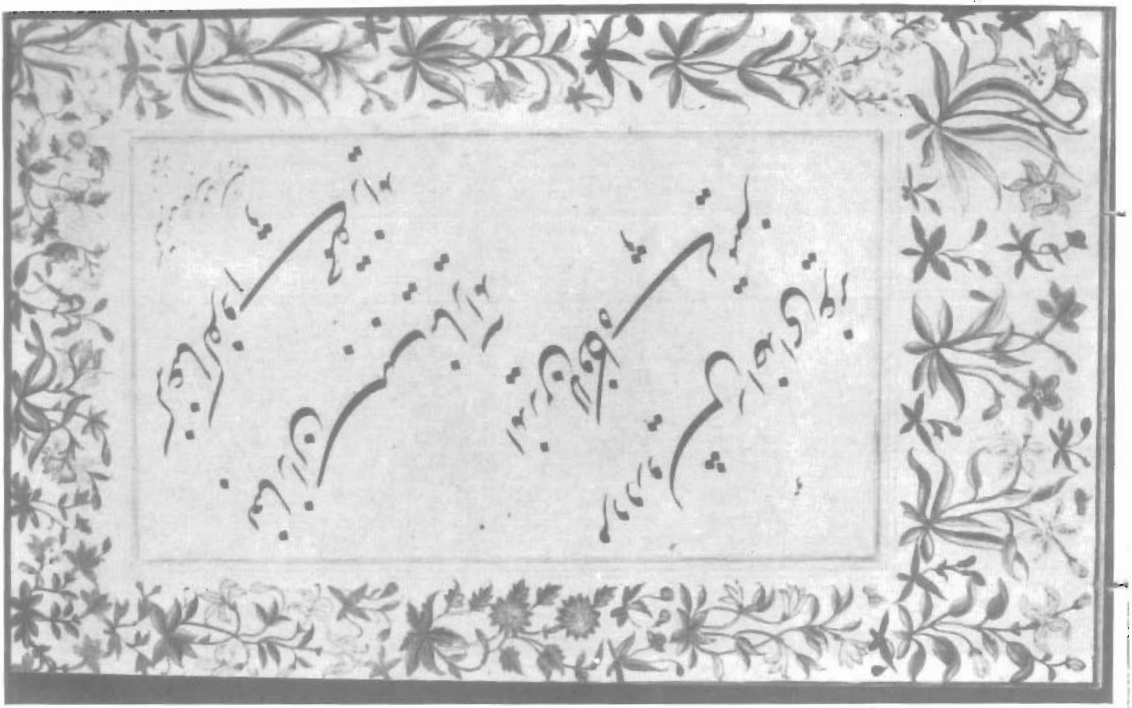

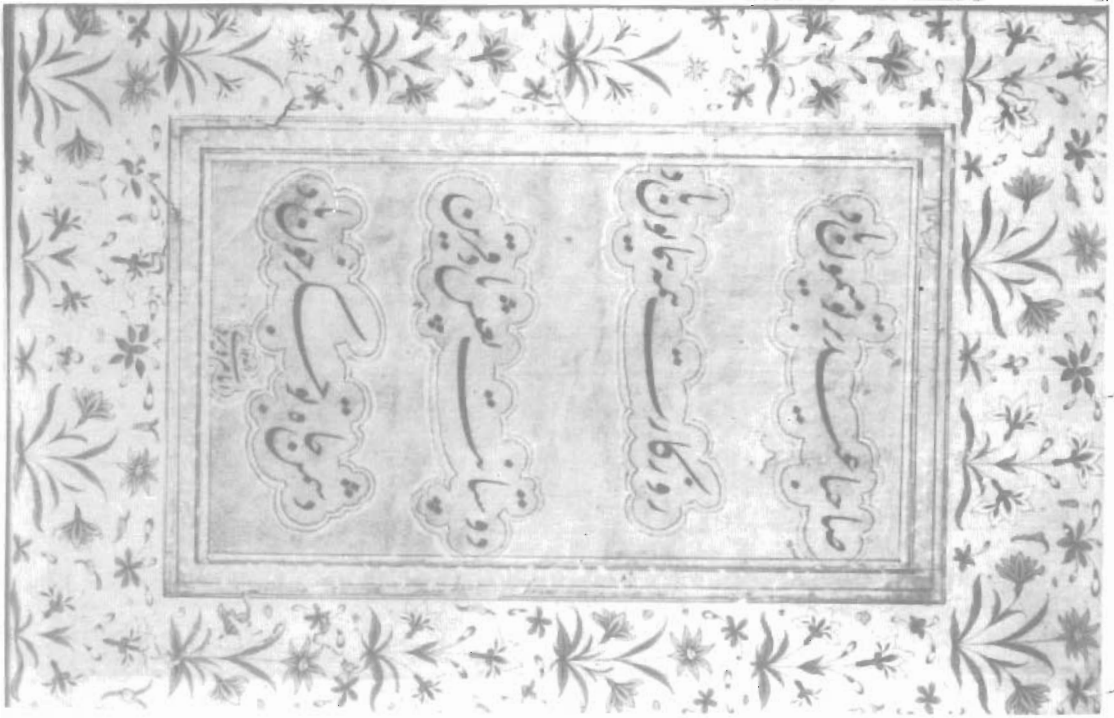

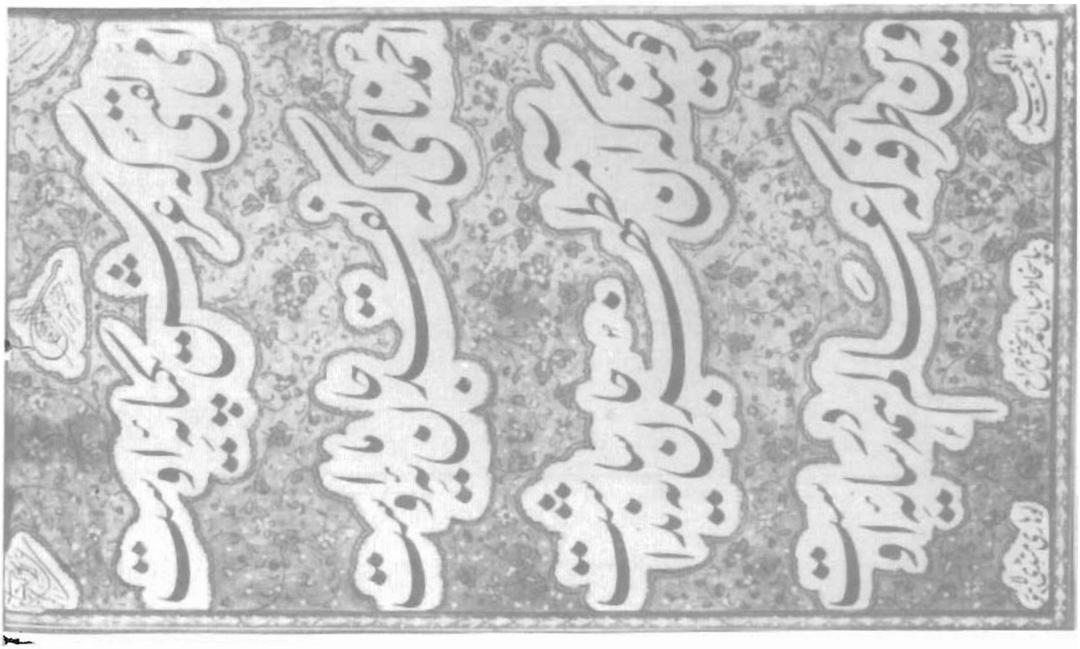

زبانِ ما غریباں از نگاہیست

حدیثِ دردمنداں اشک و آہیست

کشادم چشم و بربستم لبِ خویش

سخن اندر طریقِ ما گناہیست

اقبالؒ

تاج الدین زرّیں رقم

دسمبر ۱۹۵۴ء

بسم الله الرحمن الرحیم

المتوفی سنه ۸۲۵ بگلبرگه شریف

از درد فراق اگر ننالم چه کنم

ور دوست اگر نه در خیالم چه کنم

میگوئی با توام نه ام هرگز دور

در عین حضور بی وصالم چه کنم

من کلام سید حضرت خواجه گیسو دراز قدس سره

کتبه العبد الفقیر نفیس الحسینی عفی الله عنه

۱۳۹۶ هـ

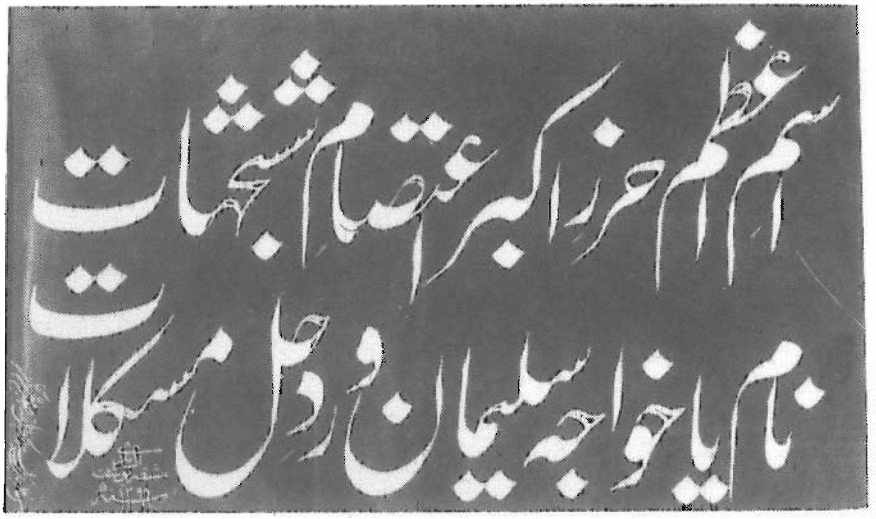

ایں خرقۂ ہستی را در میکدۂ وحدت

کتبہٗ: خورشید سدید ۱۹۵۹ء

صد بار گرو کردم عریانِ خراباتم

سلام علیک ای نبی مکرم
مکرم تر از آدم و نسل آدم

گر همی خواهی که باشی خوشنویس
می‌نویس و می‌نویس و می‌نویس